

مولانا فراہی کا عربی کلام

(قومیت اسلام کا مظہر)

شرف الدین اصلاحی

مولانا نے اپنے لئے مشغولیت کا جو میدان منتخب کر لیا تھا اور وہ جس قسم کی افتاد طبع کے مالک تھے اس میں سیاست کے لئے اتنی بھی گنجائش نہیں تھی جتنی ان کے ہم مشرب معاصرین کے ہاں نظر آتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں حالات حاضرہ کی خبر نہیں رہتی تھی یا وقت کے عام سیاسی مسائل بالخصوص مسلمانوں کے نفع و نقصان سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ ایک سچے اور پکے مسلمان کی طرح انہیں امت مسلمہ کے اقبال و ادبار سے اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی کہ کسی کو ہو سکتی ہے۔ اور وقت کے سیاسی مسائل میں سے ہر مسئلے کے متعلق اپنے نقطہ نظر سے ان کی اپنی ایک رائے ہوتی تھی۔ لیکن ان کی علمی تصانیف میں اس کا اظہار وضع الشئی فی غیر محلہ کا مصداق ہونے کے علاوہ ان کے مزاج سے ہم آہنگ بھی نہ تھا۔ ان کے حالات زندگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مجالس اور عام گفتگوؤں میں بڑی سیاسی مسائل کے متعلق بہت کم اظہار خیال کرتے تھے۔ البتہ ان کے عربی دیوان میں ایک نہیں متعدد ایسی نظمیں ہیں جنہیں اگرچہ بمعنی عام سیاسی نظمیں کہنا شاید درست نہ ہو مگر ان کا تعلق بالراست چونکہ دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں ایسی صورت حال سے ہے جو مسلمانوں کے اجتماعی مسائل سے گہرا تعلق رکھتی ہے اس لئے ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے دیوان میں زیادہ تر دو قسم کی نظمیں اور اشعار ہیں۔

ایک علم و حکمت کے مضامین پر مشتمل دوسرے ایسے واقعات و حوادث سے متعلق جو مسلمانوں کے لئے قومی المیہ کا درجہ رکھتے تھے۔ یہ نظمیں جس قسم کے حالات میں کہی گئیں ان کا جائزہ لینا یا تاریخی پس منظر بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم و بیش ان سے واقف ہے۔ اس لئے انتہائی اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم اس سلسلے کے کچھ اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اشعار میں مرثیہ خوانی کا سوز و گداز بھی ہے اور رجز خوانی کی گھن گرج بھی۔ یہ لے اس وقت کے ماحول میں نئی نہیں تھی سولانا فراہی کے معاصرین میں ایسے کئی شاعروں کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے قومی المیہ کے ان موقعوں پر اشعار میں اسی قسم کے خیالات و جذبات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن سولانا کو اس لحاظ سے ایک امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے حجازی لے کو نغمہ ہندی میں نہیں بلکہ صوت حجازی میں پیش کرنے کی سعی کی ہے جس سے اردو خواں طبقہ ابھی تک ناواقف ہے۔ سولانا کی ایسی نظمیں اور اشعار بلاشبہ ہماری قومی اور ملی شاعری کا ایک وقیع حصہ ہیں۔ ان میں وحدت اور اخوت اسلامی (پان اسلامزم) کا بھر پور اظہار ہے۔

دیوان میں یکے بعد دیگرے ایسی سات نظریں ہیں جو عصرِ رواں کے واقعات و حادثات سے متاثر ہو کر لکھی گئیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ سولانا اپنے جذبات کو دبا نہ سکے اور ان کے جذبات بے قابو ہو کر پھٹ پڑے ہیں۔ حالات نے اس بند کو توڑ دیا ہے جو انہوں نے شاعری کے موتوں کو بند رکھنے کے لئے باندھا ہوا تھا۔ ان نظموں میں سادگی اصلیت اور جوش کی وہ تمام خوبیوں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں جنہیں نقاد اچھی شاعری کی خصوصیات میں شمار کراتے ہیں۔ آورد تو سولانا کے یہاں کہیں بھی نظر نہیں آتی مگر

ان نظموں میں جو آمد برجستگی اور بے ساختہ بن ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ علی الخصوص ایک نظم جس کا عنوان ہے ”فی عتاب العرب الترك علی الصلح بالطلیان“، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں علاوہ دیگر صفات کے قوسی درد اور ملی حمیت کی رو نقطہ عروج پر ہے۔ ان نظموں میں رزیہ شاعری کی لیے سنائی دیتی ہے لیکن اس کا انداز فارسی اور اردو کی بجائے عربی کی رزیہ شاعری سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ بات پھیلتی جا رہی ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ نقد و تبصرہ کی بجائے اس تحریر میں مولانا کے اپنے الفاظ کو زیادہ جگہ دی جائے تاکہ پڑھنے والے ان کے شاعرانہ کیف سے لطف اندوز ہوں۔ ناقدانہ موشگافیاں ہمارا مقصود نہیں۔ مقصد مولانا کے کلام سے متعارف کرانا ہے۔ اس گروپ کی پہلی نظم کا عنوان ہے ”فی تطاول الطلیان علی طرابلس“، جنگ طرابلس بیسویں صدی میں مسلمانوں کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ اس نظم کے چند اشعار مع ترجمہ بلا تبصرہ درج کئے جاتے ہیں :

کیف القرار وقد نکس	اعلامنا بطرابلس
نیکی علی اخواننا	بین القتل و سن حبس
ہم اہلنا و عشیرنا	افیاء لمون ولا نحس
یا امنة الاسلام یا	ابنساء آباء شمس
الا تمہوا الیوم فا	لاسلام یتعس بل تعس
هل لا ذکرتم ما اصا	ب المسلمین باندلس
ینسون قسطنطینیہ۔	ة و بعد ما ارض القدس
فاحموا ذنار الملة	البيضاء كالاسد الشکس
واستجمعوا عددا فما	تجرى السفین علی الییس
اغنی المراكب والمدا	فع والکتاب والحرس

و تعلموا حیل الحسرو ب لتغلبوا الخصم الشرس (۱)

ترجمہ: کیونکر قرار آئے ہمارے جہنڈے طرابلس میں سرنگوں ہو گئے۔ ہم اپنے ان بھائیوں پر آنسو بہاتے ہیں جو قتل ہوئے اور قید میں ہیں۔ وہ ہمارے اہل ہیں، وہ ہمارے اپنے ہیں، ہم ان کے درد کو بھلا کیونکر نہ محسوس کریں گے۔ اے اسلام کی امت، ایسے آباء کے بیٹو جو سورج کی طرح روشن اور بلند تھے، اگر تم آج نہیں اٹھو گے تو اسلام برباد ہو جائے گا بلکہ وہ برباد ہو گیا۔ کیا تمہیں یاد نہیں اندلس میں مسلمانوں پر کیا گزری۔ وہ (دشمن) قسطنطنیہ کو لینا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ارض مقدس کو بھی۔ اٹھو اور تند خو شیروں کی طرح ملت بیضاء کی حفاظت کرو۔ اسباب کی فراہمی میں کوئی کسر نہ چھوڑو، خشکی میں کشتیاں نہیں چلا کرتیں۔ یعنی سواریاں، توپ، دستے، رسالے اور محافظ اکٹھے کرو اور فن حرب کی تربیت حاصل کرو تاکہ بد طبیعت دشمن پر غالب آسکو۔

”ہمارے جہنڈے طرابلس میں سرنگوں ہو گئے۔ ہم اپنے بھائیوں پر روتے ہیں وہ ہمارے اہل اور ہمارے قبیلہ و خاندان کے ہیں، یہ الفاظ اسلامی اخوت کے آئینہ دار ہیں جس میں دینی اشتراک کی وجہ سے اجنبی حقیقی قرابت داروں سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔ اور دینی اشتراک نہ ہو تو سگا بیٹا بھی ”انہ لبس بن اہلک“ کہہ کر جدا کر دیا جاتا ہے۔

ایک دوسری نظم میں جس کا عنوان ہے ”فی ذکر هجوم الطلیان و ظلمہم“ طرابلس کے مسلمانوں پر دشمن کے ہاتھوں جو ظلم و ستم ہوئے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

بغض و عناد سے پڑی ہوئی دراڑ چوڑی ہو گئی ہے۔

اس دور کی بین الافواسی سیاست خاص کر برصغیر کی سیاست میں تحریک خلافت کا ذکر بکثرت آتا ہے۔ مولانا کی اس نظم میں دو شعر بہ صراحت خلافت کے نام کے ساتھ نظم ہوئے ہیں۔

یا ضلۃ لم یعلموا ان الخلافة خیر جامع
فلنبذلن لها النفوس و دون حوزتها ندافع

ترجمہ: حیرت ہے انہیں خیر نہیں کہ خلافت مسلمانوں کے لئے بہترین قوت جامعہ اور ذریعہ اتحاد ہے۔ لہذا ہم اس کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے اور آگے بڑھ کر اس کی سرحد کا دفاع کریں گے۔

مولانا فراہی کے ان اشعار میں مولانا محمد علی جوہر کی والدہ کے ان الفاظ کی گونج سنائی دیتی ہے۔ ”خلافت پر جان دے دو بیٹا، یہ الفاظ ”بی اماں“ نے مولانا محمد علی کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

اس کے بعد وہ عربوں اور ترکوں کے مابین اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لئے ترکوں کو ہاتھ کی ہتھیلی اور عربوں کو ہتھیلی کی انگلیوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور یہ نکتہ واضح کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ ان کا وجود جیہی برقرار رہ سکتا ہے کہ وہ جسد واحد کی طرح باہم متحد رہیں۔

ما التبرک الا مثل کف
و العرب مثل اصابع
بالباسل العاری الاشاجع
لا کف الا بالاصابع

ترجمہ: عربوں کے بغیر بہادر ترکوں کی مثال پہلوان کی ایسی ہتھیلی

کی ہے کہ جس میں انگلیاں نہ ہوں۔ غرب ان کے لئے مثل انگلیوں کے ہیں، انگلیوں کے بغیر ہتھیلی کا کوئی تصور نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بلاد اسلامیہ پر اغیار کے حملوں اور مسلمانوں پر اعدائے اسلام کے مظالم سے مولانا کا دل بہت مضطرب تھا۔ وہ واقعات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے نقصان سے ان کو تکلیف ہوتی تھی اور اگر مسلمانوں کا پلہ بھاری نظر آتا تو انہیں دلی مسرت ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ترکوں اور عربوں نے دشمنی پر ضرب کاری لگائی تو ان کا دل باغ باغ ہو گیا اور وہ فخر و مباہات کے لہجے میں ہنساں اٹھے۔

کسرت علیہم شجعة الاتراک کالاسد الہوا صر

واتتہم الاعراب تخ طفہم کعبان کواصر (۱)

ترجمہ: بہادر ترکوں نے ان شیروں کی طرح ان پر حملہ کیا جو اپنے شکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں اور عرب ان عقابوں کی طرح ان کو اچکنے لگے جو اپنے شکار پر جھپٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد جب ترکوں نے عربوں کو نظر انداز کر کے دشمن سے صلح کر لی تو ان کے دل کو ٹھیس لگی اور وہ تلملا اٹھے۔ ان کا درد و غم ۳۶ شعروں کی ایک نظم میں ڈھل گیا۔ اس نظم میں ترک مخاطب ہیں اور متکلم عرب۔ اس کے جستہ جستہ منتخب اشعار سے اس کے سوڈ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یا ترک ! لا تبغوا الہوننا لاتنعموا الحساد عینا

اتسالمون عسونا وترکتونا یسین یینا

۱ دیوان ص ۱۴۱، نظم ”فی کرة العرب علی الطلیان“،

کنتم لنا الاخوان اذ	فی الدین والود استوینا
فنفو سنا ونفسو سکم	خلطت معا لما التقینا
نحمی الخلافة بالسویو	ف الباترات اذا انتضینا
فربت حدائق مجدها	بدسائنا لما سقینا
افبعد ذاک تخاذلو	ن و تذهبون فا ین اینا
لاسلم بالطلیان حد	ی یترکوا بلدا ثوینا
لنقمهم عن ارضنا	لا نرعوی عما قضینا
فالموت خیر من حیو	ة تحتوی ذلاً و شینا
انا الاحرار نع	د القتل للاحرار زینا
کم نا بنا حرب الملو	ک فلم نمل ولا ونینا
لم یسطوا الایدی الا	سا کسرنا او لوینا

فا لله نعبده و عب

باد الصلیب فقد قلینا (۱)

ترجمہ : اے ترک سہل انگاری کو کام نہ فرماؤ۔ دوستی کی پینگیں بڑھا کر حاسدوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرو۔ ہمیں بیچ منجھدہار میں چھوڑ کر تم ہمارے دشمن سے صلح کرتے ہو۔ تم ہمارے لئے بھائی تھے کہ دین اور محبت کے رشتے ہم میں استوار تھے۔ جب ہم ملے ہماری جانیں اور تمہاری جانیں ایک ساتھ مل گئیں۔ ہم خلافت کی حفاظت کرتے تھے کائے والی تلواروں کو میان سے کھینچ کر۔ خلافت کے مجد کے باغ لہلہا اٹھے جب ہم نے انہیں اپنے خون سے سیراب کیا۔ کیا اس کے بعد تم ہمیں چھوڑ رہے ہو اور

۱۔ دیوان ص ۱۰، ۱۶، ۱۷۔ ”نظم فی عتاب العرب الترق علی الصلح بالطلیان“،

جارھے ہو، بتاؤ تو کہاں، کہاں۔ اٹلی کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی جب تک وہ ہماری آبادیاں خالی نہ کر دیں۔ ہم الہیں اپنی سر زمین سے نکال باہر کریں گے، ہمارا فیصلہ اٹل ہے۔ ہمارے نزدیک اس زندگی سے موت بہتر ہے جس میں ذلت اور ننگ ہو۔ ہم حریت پسند ہیں، احرار کے لئے قتل کو زینت شمار کرتے ہیں۔ کتنی ہی بار بادشاہوں کی جنگ ہم پر نازل ہوئی لیکن ہم گھبرائے نہیں، نہ ہی ہم درماندہ ہوئے۔ انہوں نے دست درازی اس لئے کی ہے کہ ہم ٹوٹ گئے یا جھک گئے۔ ہم اللہ کی بندگی کرتے ہیں، صلیب کے پجاریوں سے ہمیں عداوت ہے۔

اس کے بعد ”فی ثوران الفتنة البلقانیہ“ کے زیر عنوان اسلام کے دفاع کے لئے مسلمانوں کو دعوت جہاد دیتے ہیں :

ثبت علی بلقان نار الحروب	اشعلها بالبعی اهل الصلیب
یا کرد یا تاتار یا کابل	یا کل من لله عبد منیب
فی شرق الآفاق او مغرب	او فی شمال الارض او فی جنوب
یدعوکم الاسلام جہراً الی	ذب العدوی عنه فهل من مجیب
فالان یا اخوان ما بالکم	قد مسکم من الجهاد لغوب (۱)

ترجمہ : بلقان پر جنگوں کی آگ بھڑک اٹھی، اسے ظلم و جارحیت سے اہل صلیب نے بھڑکایا ہے۔ اے کرد، اے تاتار، اے کابل، اے ہر وہ شخص جو اللہ کا فرمان بردار بندہ ہے، دنیا کے شرق میں ہو یا مغرب میں، زمین کے شمال میں ہو یا جنوب میں، اسلام پکار کر تم کو بلا رہا ہے، کہ دشمن سے

اس کا دفاع کرو، ہے کوئی جو اس پکار کا جواب دے۔ بھائیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جہاد سے درمندانہ ہو گئے ہو۔

دیوان کی ایک نظم کا عنوان ہے ”فی ذکر اشراط الساعة،۔ آثار قیامت میں جہاں اور بہت سی باتوں کا ذکر ہے وہاں ایک علامت یہ بھی گنائی ہے کہ مسلمان قوم آلام و مصائب کا شکار ہے۔

وقد اورطت امة المسلمیہ سن فی ہوة، شد ایراطھا
و او قعھا الدھر فی عقدہ تعسر للقوم انشاطھا

ترجمہ: مسلمانوں کی امت مصیبت کے گڑھے میں گر گئی ہے وہ سخت مصائب میں گرفتار ہے اور زمانے نے اس کے معاملات میں ایسی گرہ ڈال دی ہے کہ قوم کے لئے اس کا کھولنا آسان نہیں۔

بولانا فراہی سن حیث القوم جب مسلمانوں کی بات کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں مسلم قومیت سے زیادہ اسلامی قومیت کا تصور جاگزیں ہوتا ہے جس کی حدود بین الاسلامی وسعتوں کو محیط ہوتی ہیں۔ ان کا ذہن اس معاملے میں بہت صاف ہے کہ اسلام کے بحر محیط میں تفریق و تقسیم کے کتنے ہی خط فاصل کھینچ دئے جائیں دنیا کا ہر وہ آدمی جو خود کو مسلمان کہتا ہے وہ اس قوم کا ایک فرد ہے جس کے ایک فرد وہ خود بھی ہیں۔ بالخصوص اغیار کے مقابل جب وہ مسلمان قوم کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا تمیزی شعور اور بھی ابھر آتا ہے اور وہ اس کے اظہار میں بلا خوف لومة لائم جارحانہ انداز اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مسلم قومیت کی حمایت میں وہ تیغ بے نیام ہیں۔ وہ عصیبت کی حد تک اس قومیت کے ساتھ وابستگی کو لے جاتے ہیں۔ ان میں ایک صحت مند قسم کی عصیبت تو ہوتی ہے مگر بیمار قسم کا

تعصب نہیں ہوتا۔ ان کی اس قومی عصبیت کی زد عملاً یہود و نصاریٰ پر ہی پڑتی نظر آتی ہے۔ اس کے اسباب ظاہر ہیں۔ مولانا کے ہاں کہیں اس قسم کے تصورات نظر نہیں آتے جن کو آج کل کی زبان میں رواداری اور انسان دوستی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، نہ ان کی شعری تخلیقات میں نہ کسی اور تحریر میں۔ وہ اس معاملے میں بڑے غیور اور خود پسند معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی قومی خودی اور دینی حمیت دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہے جس کی تندی ہر قسم کے دواعی پر غالب آجاتی ہے۔ چونکہ ان کا فکر قرآن کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھا تھا اور ان کے شعور کی تربیت ان کے ایمان و اسلام کے ہاتھوں ہوئی تھی اس لئے باطل آگے پیچھے دائیں بائیں کسی طرف سے بھی ان پر حملہ آور نہیں ہو پاتا۔

میں نے اپنے ایک پچھلے مضمون میں (فکر و نظر، دسمبر ۱۹۷۸) اور اس مضمون میں مولانا فراہی کے بعض پہلوؤں کا مطالعہ ان کی عربی شاعری کے حوالہ سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعری کی کسی بھی تعریف کی رو سے مولانا کے شاعر ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا لیکن اس کے باوجود انہیں معلوم کیوں شرح صدر کے ساتھ مولانا فراہی کو شاعر کہنے اور ان کی شاعرانہ حیثیت کو زیادہ اہمیت دے کر نمایاں کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ایسا شاید اس لئے ہو کہ شاعر بدنام بہت ہے۔ شاعری، جہاں بعض فنون کی نسبت سے اس کا مرتبہ بلند قرار پا سکتا ہے وہاں بعض فنون کی نسبت سے پست بھی قرار پا سکتا ہے۔ اس لئے شاعری جہاں ایک شخص کے لئے فخر کی چیز ہو سکتی ہے وہاں دوسرے کے لئے فخر کی چیز نہیں بھی ہو سکتی۔

جیسا کہ ان کے سوانح سے معلوم ہوتا ہے مولانا فراہی کو غالب سے

دلچسپی تھی۔ غالب کی شاعرانہ تعلی مشہور ہے۔ ایک فارسی شعر میں خود شاعری کے مقابل ان کی تعلی ملاحظہ ہو،

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب ما شعر خود خواہش آن کرد کہ گردد فن ما
لیکن بہر حال غالب نے شعر کی خواہش کو مان لیا۔ راضی نہیں تھے
مگر ہو گئے۔ اور آج دنیا غالب کو ان کی شاعری ہی کی وجہ سے جانتی ہے۔
وہ ہزار کہیں کچھ شاعری ہی ذریعہ عزت نہیں مجھے، انہیں کچھ ذریعہ عزت
ہے تو شاعری ہی ہے۔ اور وہی ان کا فن ہے۔ بقول میر تقی میر۔

کیا تھا شعر کو پردہ سخن کا وہی آخر کو ٹھہرا فن ہمارا

اس کے بعد غالب نے ایک خاص صورت حال کے اندر اپنی فارسی اور
اردو شاعری کا موازنہ کیا تو فارسی پر ناز کیا اور اردو کو ناقابل اعتنا قرار دیا۔
فارسی میں تابیینی نقش ہائے رنگ رنگ بگزر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ سنست
راست سی گویم ولے از راست سرتنواں کشید ہر چہ درگفتار فخر تست آننگ سنست
لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج دنیا میں غالب کا نام ان کی فارسی
شاعری کی وجہ سے نہیں اردو شاعری کی وجہ سے زندہ ہے۔

مگر اس پس منظر میں مولانا فراہی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ
انہوں نے سرے سے شعر و شاعری کو منہ ہی نہیں لگایا۔ انہوں نے شعر ضرور
کہے ہیں لیکن وہ روایت شاعر نہیں تھے۔ باوجودیکہ وہ فطرتاً ایک اعلیٰ درجے
کے شاعر تھے۔ شاعری کا جوہر ان میں کوٹ کوٹ کے بہرا ہوا تھا لیکن
انہوں نے بالفعل نہ تو اسے فن بنایا نہ پیشہ، شعر نے خواہش ان سے بھی کی
مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ ان کے لئے شاعری کے سوا اور بھی کام تھے جس کی عظمت

دخلوا المدينة يقتلوا
قتلوا المراضع فى المضاع
يسسدون نصرانية
بل يشتمن الكفسرما
ن بها المشائخ والرعارع
حج و الضوارع فى الشوارع
زورا وقد رفضوا الشرائع
يركبون من الشنائع (۱)

ترجمہ : وہ بوڑھوں اور سوزوں قامت، حسن و شباب کے پیکر نوجوانوں کو قتل کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے شیر خوار بچوں کی ماؤں کو ان کی خوابگاہوں میں قتل کیا اور چھوٹے بچوں کو شاہراہوں میں تھ تیخ کیا۔ وہ جبراً نصرانیت کو غالب کرنے کے درپے ہیں۔ انہوں نے دین و مذہب کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ بلکہ جن گھناؤنے جرائم کا وہ ارتکاب کرتے ہیں ان سے کفر کو بھی گھن آتی ہے۔

مولانا اغیار کی ستم رانیوں اور ریشہ دوانیوں کا ذکر کر کے خاموش نہیں ہو جاتے اس سے زیادہ وہ اپنوں کی بیگانہ وشی کا ماتم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے باہمی نفاق خاص کر عربوں اور ترکوں کی نزاع اور آویزش پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔

عسروا بان البعد بین
وبان بین قلوبنا
العرب والا تراک شاشع
صدعا بن الاضغان واسع (۲)

ترجمہ : دشمن کا دندان آز اس لئے تیز ہے کہ عربوں اور ترکوں کے درمیان حائل خلیج وسیع ہو چکی ہے اور اس لئے کہ ہمارے دلوں میں

۱ دیوان ص ۱۱-۱۲

۲ دیوان ص ۱۲

اور اہمیت کے سامنے شاعری لہو و لعب قسم کی چیز اور بازیچہ اطفال نظر آتی ہے۔

چنانچہ غالب نے اپنی تعلیٰ میں جو بات اردو کی نسبت کہی وہی بات مولانا فراہی زبانِ قال سے تو نہیں کہہ وہ بمعنی مصطلحہ شاعر تھے بھی نہیں۔ زبانِ حال سے خود شاعری کی نسبت کہتے نظر آتے ہیں، جس کی تائید شاعری کی نسبت عملاً ان کے رویے سے بھی ہوتی ہے اور ان افکار و خیالات سے بھی جو شاعری کی نسبت جستہ جستہ ان کی تصانیف میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ اور یہ خیالات وہی ہیں جن کا ہیولی ایک مسلمان کے ذہن میں اسلام کی تعلیم اور تربیت سے تیار ہوتا ہے۔ موقع تقاضا کرتا ہے کہ یہاں غالب کا مصرعہ ان سے مستعار لے کر مولانا فراہی کی طرف سے دہرا دیا جائے، جو چیز ہر شاعر کے لئے وجہ افتخار ہوتی ہے اسے مولانا فراہی نے ننگ و عار سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

ہرچہ در گفتار فخر تست آن ننگ منست

اور یہ واقعہ ہے کہ علم و ادب، فکر و نظر، شعور و آگہی اور حکمت و فلسفہ کی دنیا میں مولانا کا جو مرتبہ ہے اس میں شاعری ان کے لئے وجہ افتخار نہیں ہو سکتی۔ واضح رہے کہ مولانا فراہی جیسے لوگوں کے ضمن میں ان الفاظ کے وہ معانی ہرگز نہیں جو عام طور سے شعر و ادب اور علم و حکمت کی دنیا میں لئے جاتے ہیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے، کسی مناسب موقع پر اس کو پیش کیا جائے گا۔

★★★★